Course:B.A URDU Hons

Part:1 Paper:2

Topic:QASIDA

Prepared By:NEMAT SHAMA

Qasida Fan aur Rewayat **قصیدہ-فن اور روایت**

تمہید:

قصیدہ اردو کی نہایت مقبول صنف ہے۔قصیدہ عربی زبان کا لفظ ہے۔جس کا معنی ،گاڑھا مغز، کے ہیں اس صنف سخن پر اس لفظ کا اطلاق اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ یہ اپنے نادر، بلند اور پرشکوہ مضامین کی وجہ سے تمام اصناف سخن میں فوقیت رکھتی ہے اس لئے اس اصناف سخن میں وہی حیثیت حاصل ہے جو انسانی جسم میں مغز کو حاصل ہوتی ہے۔لہذا اسے مغز سخن تصور کر کے قصیدہ کا نام دیا گیا ہے۔لفظ قصیدہ کیا ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ لفظ ،لفظ قصد سے مشتق ہے اور شاعر جب کسی کی مدح یا ذم کا اشعار کہتا ہے تو اس میں اس کے قصد اور ارادے کو دخل ہوتا ہے۔اردو میں قصیدہ کا عام میدان مدح یا ذم کے مضامین پر مشتمل رہا ہے۔مدح اور ہجو کو قصیدے کا خاص موضوع بنانا فارسی شاعروں کا کارنامہ رہا ہے۔سودا کے بعد ذوق ہمارے ممتاز قصیدہ نگار شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ان دونوں کے مزاج میں قصیدے کی بنیادی خصوصیات رچی بسی ہوئی ہے اور یہ دونوں فن قصیدہ گوئی کہ لوازمات کا بدرجہ احسن احترام کرتے ہے۔مومن اور غالب ہم عصر شعرا ہیں۔دونوں بنیادی طور سے غزل کے شاعر ہیں، اس لئے قصیدہ نگاری میں سودا اور ذوق کے پائے تک نہیں پہنچتے نظم کی مانند قصیدے میں خیالات اور مضامین مربوط اور مسلسل ہوتے ہیں۔چنانچہ اپنے موضوع کے لحاظ سے ہر قصیدے میں کوئی نہ کوئی عنوان ہوتا ہے۔مثلاً سودا کے چند قصیدوں کے یہ عنوانات ہیں۔درمنقبت حضرت علی، درمنقبت امام رضا، درمدح عالمگیر ثانی، درمدح نواب آصف الدولہ وغیرہ ایک جگہ مولانا الطاف حسین حالی نے لکھا ہے کہ زندہ افراد کی تعریف میں کہی جانے والی نظم قصیدہ ہے جب کہ مردہ افراد کے غم میں قلم بند کی جانے والی نظم مرثیہ ہے۔

قصیدہ کی تعریف اور اصطلاحی معنی:

قصیدہ عربی زبان کا لفظ ہے۔دیگر اصناف کی طرح یہ بھی قدیم صنف سخن ہے اور اس میں کسی کی مدح یا ہجو کی جاتی ہے۔قصیدہ کی مختلف انداز سے تعریف کی گئی ہے۔بعض اہل الرائے کا خیال ہے کہ قصیدہ ''قصد'' سے مشتق ہے۔اس لئے اصطلاح میں قصیدہ اس مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس میں شاعر ارادتاً یا قصداً کسی کی تعریف وتوصیف یا ہجو وذم کرتا ہے۔ایک خیال یہ بھی ہے کہ قصیدہ جملہ اصناف سخن میں وہی حیثیت رکھتا ہے، جو انسانی جسم میں مغز کو حاصل ہے۔اس لئے اسے ''مغز سخن'' سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور قصیدہ کا نام دیتے

ہیں۔

قصیدہ ''قصید'' سے بھی مشتق ہے، جس کے معنی ''موٹی اونٹنی'' کے ہیں۔ کلام کے فصیح و بلیغ اور پر مغز ہونے کی وجہ سے اس کا اطلاق قصیدہ پر بھی ہونے لگا۔ اصطلاح شعر میں قصیدہ اس مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس کے مضامین پر مغز، پر معنی، موثر، فصاحت و بلاغت سے مملو اور مقصدیت سے لبریز ہوں۔ اس کے الفاظ مہتم بالشان اور فنی بصیرت سے ہم کنار اور مالا مال ہوں۔

قصیدہ میں غزل کی طرح مطلع ہوتا ہے جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ بقیہ اشعار کے صرف دو مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ غزل کی طرح قصیدے میں ردیف ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ البتہ قافیہ کا ہونا ضروری ہے۔ یہاں بھی مقطع کا التزام ہوتا ہے مگر کچھ دوسرے عناصر جیسے تشبیب، گریز، مدح، دعا یا حسن طلب ایسے اجزا ہیں جو غزل میں نہیں ہوتے ہیں۔ غزل اور قصیدے کی تکنیک ایک جیسی ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک عام خیال ہے کہ غزل قصیدہ کی بطن سے پیدا ہوئی ہے۔ الطاف حسین حالی نے قصیدہ اور مرثیہ کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ زندوں کی تعریف کو قصیدہ اور مردوں کی تعریف کو مرثیہ کہتے ہیں۔

عام طور سے قصیدے کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں۔ ایک تمہیدیہ اور دوسرا خطابیہ۔ تمہیدیہ قصیدے میں شاعر اپنا مقصد ظاہر کرنے سے پہلے ممدوح کی تعریف کے پل باندھتا ہے۔ پھر اپنے مقصد پر آتا ہے۔ یعنی تمہیدیہ قصیدے میں تشبیب اور گریز کے اجزا ہوتے ہیں اور خطابیہ قصیدے میں شاعر کوئی تمہید باندھے بغیر اپنا مدعا بیان کر دیتا ہے۔

ممدوحین کے اعتبار سے یا معنوی اعتبار سے قصیدے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن میں حمد پاک، نعت شریف، منقبت اہل بیت یا ولیوں اور صوفیوں کی مدح کی جاتی ہے۔ ایسے قصیدوں میں مذہبی رنگ اور عقیدت کا اظہار نہایت موثر انداز میں کیا جاتا ہے۔ قصیدے کی دوسری قسم وہ ہے جس میں فرماں روائے وقت، بادشاہ یا کسی امیر زادے کی مدح کی جاتی ہے۔ ایسے قصیدے شخصی ہوتے ہیں اور ان میں دربار کا ماحول کارفرما ہوتا ہے۔ ان میں بے انتہا تکلّف و تصنع سے کام لیا جاتا ہے۔

قصیدہ کا اصل موضوع مدح یا ذم ہے۔ عربی کی ابتدائی شاعری میں قصیدہ کا موضوع وسیع ترین معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ اس میں انسان کی روزمرہ زندگی، ذاتی تجربات و مشاہدات، وارداتِ عشق وغیرہ مضامین کا بیان ہوتا تھا۔ مگر آگے چل کر قصیدے صلہ و انعام کے حصول کے لئے لکھے جانے لگے۔ خلفا اور امرا و سلاطین کی مدح و ستائش کر کے انعام و اکرام حاصل کرنا قصیدے کے لئے مخصوص ہو گیا۔ اسی زمانے میں فارسی میں قصیدہ گوئی کا آغاز ہوا۔ فارسی قصیدہ گویوں نے قصیدے کی تمام تر بنیاد امرا و سلاطین کی مدح و ستائش پر رکھی۔ ظاہر ہے اس کے پیچھے ان کا مقصد انعام و اکرام کا حصول تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ انہیں اس معاملے میں مایوسی ہاتھ آتی تھی۔ ایسی صورت میں وہ ذم کا پہلو نکالتے تھے یعنی ہجو گوئی پر کمر بستہ ہو جاتے تھے۔

قصیدہ ادب کی مہتم بالشان صنف ہے۔ اس میں رعب داب، شان و شوکت اور وجاہت و تمکنت کا اظہار ہوتا ہے۔

اس کی فضا ایک خاص قسم کے طنطنہ اور طمطراق میں رچی بسی ہوتی ہے۔ قصیدہ اور غزل کی تکنیک ایک جیسی ضرور ہے مگر قصیدہ میں نظم کی طرح خیالات و مضامین مربوط اور مسلسل ہوتے ہیں۔ اس کا ایک مخصوص ڈھانچہ ہوتا ہے اور اسی سبب وہ دیگر اصناف سخن سے مختلف

ہے۔ایک مکمل قصیدہ کے لئے عام طور پر پانچ اجزا متعیّن کئے گئے ہیں:

(۱)تشبیب (۲)گریز (۳)مدح (۴)حسن طلب (۵)دعا

ذیل میں ان اجزا کی وضاحت کی جارہی ہے:

(۱)تشبیب:- تشبیب کونسیب یا مطلع بھی کہتے ہیں۔مطلع کے معنی ''اگنے کی جگہ'' ہے اور قصیدہ کا آغاز تشبیب سے ہوتا ہے، اس لئے تشبیب کو مطلع بھی کہتے ہیں۔اس سے مراد وہ اشعار ہیں جو قصیدے کی ابتدا میں تمہید کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔تشیب کا مطلع اپنی ہیئت کے اعتبار سے غزل کے مطلع کی طرح ہوتا ہے۔یہ قصیدے کی جان ہے۔اس کے انوکھے پن اور اچھوتے پن پر قصیدہ کی عمدگی اور دلکشی کا دارومدار ہوتا ہے۔ابتدا میں تشبیب میں عشق و عاشقی کی باتیں کرنا اور آتش شوق کو بھڑکانا تھا،مگر اردو میں عشقیہ مضامین کی تخصیص نہیں رہی،اس میں ہر قسم کے مضامین نظم کئے جانے لگے جیسے موسم بہار، بے ثباتی عالم، رندی وسرمستی، پندوموعظت، شکایت زمانہ، ناقدری علم وفن،فلسفیانہ ومتصوفانہ مضامین اور دیگر علوم وفنون سے متعلق موضوعات بھی تشبیب میں جگہ پانے لگے۔

تشبیب کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس میں جو مضامین قلم بند کئے جائیں وہ ممدوح کے منصب ومرتبہ سے مناسبت رکھتے ہوں تاکہ ان میں اور بعد میں آنے والے مدحیہ اشعار میں معنوی ربط قائم رہے۔اس بات کا بھی خیال ہونا چاہئے کہ تشیب کے اشعار کی تعداد مدح کے اشعار سے کم ہو۔ابن رشیقؔ نے اسے قصیدے کے معائب میں شمار کیا ہے کہ تشبیب زیادہ ہو اور مدح کم۔تشیب کے سلسلے میں یہ شرط کافی اہم ہے۔ظاہر ہے اگر کسی مضمون کی تمہید نفس مضمون سے طویل ہوجائے تو یہ اس کی بڑی خامی ہوگی۔

(۲)گریز:- گریز کے معنی ''بھاگنا'' ہے۔چونکہ قصیدہ گو اس کے ذریعہ مدح کی طرف آتا ہے اس لئے بنیادی معنی سے اس کی مطابقت ظاہر ہے۔گریز کا سب سے بڑا حسن یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تشبیب کہتے کہتے شاعر مدح کی طرف اس طرح گھوم جائے کہ ربط برقرار رہے۔عربی تنقید میں دوسرکش بیلوں کو ایک جوے میں جوتنے کو گریز کہتے ہیں۔قصیدہ میں چونکہ تشبیب، گریز اور مدح جیسے متضاد عناصر کو ایک رسی میں باندھا یا ایک جوے میں جوتا جاتا ہے اسی مناسبت سے قصیدے کے دوسرے عنصر کا نام گریز ہے۔قصیدہ نگار تشبیب سے گریز کی طرف پلٹنے میں کمال ہوشیاری اور انتہائے فنکاری کا مظاہرہ کرتا ہے۔کامیاب گریز وہی ہے جس میں اس کا احساس نہ ہو کہ شاعر قصداً مدح کی طرف آیا ہے بلکہ بات سے بات پیدا ہوگئی اور اشہب قلم خود بخود مدح کے میدان میں آگیا۔کہا جاسکتا ہے کہ کامیاب قصیدہ گو وہی ہے جو ممدوح اور سامع دونوں کو تشبیب کی گوناگوں کیفیات میں محو کردے پھر گریز کا پہلو بدل کر مدح کی طرف آجائے اور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرلے۔

(۳)مدح:- قصیدہ کا تیسرا حصہ مدح ہے۔مدح کے لغوی معنی تعریف کرنا ہے۔اصطلاح میں یہ قصیدہ کا وہ حصہ ہے جس میں شاعر اپنے ممدوح کی مدح سرائی کرتا ہے۔مدح کا میدان کافی وسیع ہے۔ممدوح کی حیثیت اور مرتبے کی مناسبت سے اس حصے میں جاہ وجلال، عزوشرف، سخاوت وضیافت، شرافت ونیکی، شجاعت وبہادری، عدل وانصاف، خلق ومروت، فیوض و

برکات، کشف وکرامات اورعلمیت وقابلیت کے بیان میں شاعر اپنا سارا زورقلم صرف کر دیتا ہے۔ زمین وآسمان کے قلابے ملا دیتا ہے۔ اشہب تخیل کو بے لگام چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر و بیشتر مبالغہ اور غلو کی منزلوں سے گزر جاتا ہے۔ البتہ اس میں بھی توازن کی ضرورت ہے۔ مدح سرائی میں ایسا نہ ہو کہ شاعر غلو سے بڑھ کر اغراق کی حد تک چلا جائے۔ اس سے ذوق سلیم پر ناگوار اثر مرتب ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہی وہ منزل ہے جہاں شاعر کلے اصلی جوہر کھل کر سامنے آتے ہیں۔ اس منزل میں شاعر اپنے پرواز تخیل سے نئے نئے معنی تراشتا ہے اور معنی آفرینی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اپنے ممدوح کو اس طرح لفظوں کے جال میں گھیرتا ہے کہ وہ خوش ہو کر اسے انعام واکرام سے نوازتا ہے۔ ڈاکٹر محمود الٰہی کا خیال ہے کہ قصیدہ گوئی کے صلہ کے طور پر شاعروں نے دربار اور عوام میں جس قدر انعام واکرام اور اعزاز وافتخار پایا اتنا کسی صنف کے ذریعہ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

(۴) حسن طلب یا عرض مطلب:- مدح کے بعد حسن طلب یا عرض مطلب کی منزل آتی ہے۔ یہاں پہنچ کر شاعر نہایت حسین وجمیل انداز میں اپنے اصل مطلب پر آتا ہے اور اپنا مدعا بیان کرتا ہے۔ یہ مقام کافی لطیف اور نازک ہوتا ہے۔ اس مقام پر ممدوح کی نفسیات کا پورا پورا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ لفظوں کے دروبست اور اشعار کی بندش ایسی ہونی چاہئے کہ ممدوح خوش ہو کر شاعر کے مدعا کو پورا کرنے کی طرف آمادہ ہو جائے۔ اس کی طبیعت مکدر نہ ہو۔

مختصر یہ کہ حسن طلب میں پیش کش کا انداز نادر اور اچھوتا ہونا چاہئے، تاکہ ممدوح بلا تکلف شاعر کو زیادہ سے زیادہ انعام و اکرام سے نوازے۔

(۵) دعا:- آخر میں دعا کی منزل آتی ہے۔ جس میں شاعر اپنے ممدوح کی درازی عمر، مال و دولت میں ترقی اور نسل و حکومت میں بقا و برتری کے لئے دعا کرتا ہے۔ دعا میں عام طور پر یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ شاعر اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اب سلسلہ کلام کو تمام کرو۔ اس کے بعد اپنے ممدوح اور اپنے لئے دعا خیر کرتا ہوا قصیدہ تمام کرتا ہے۔

دکن میں اردو قصیدہ کی روایت:

اردو ادب کی ابتدا سے ہی قصیدہ اس میں شامل رہا۔ عربی اور فارسی کے بعد اردو میں قصیدے کی روایت بہت قدیم اور مضبوط ہے۔ اردو قصائد کو ادبی وقار دکن میں حاصل ہوا۔ اردو زبان جس نے دکن کے علاقوں میں پرورش پائی اور وہاں کے سلاطین کے زیر اثر پروان چڑھی عادل شاہی اور قطب شاہی بادشاہوں نے خود بھی قصیدہ گوئی کی طرف توجہ کی۔ دکن کے اولین قصائد بیشتر صوفیوں اور مذہبی رہنماؤں کی شان میں لکھے گئے۔ ان میں اکثر ایسے قصائد ہیں جن میں قصیدے کی ہیئت کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ اس فن میں اس عہد میں مشتاق، لطفی اور شیخ آذری کے قصائد بھی ملتے ہیں۔ گولکنڈہ کا حکمراں قلی قطب شاہ جو خود بھی صاحب دیوان شاعر تھا اس کے کلیات میں قصائد کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کے قصیدوں میں الفاظ کی وجاہت اور بندشوں کا طمطراق پایا جاتا ہے۔

اس عہد کے آس پاس کے شاعر غواصی نے مثنوی نگاری کے ساتھ ساتھ قصیدہ نگاری پر بھی توجہ کی۔ اس کے قصیدے شگفتہ اور مترنم ہیں اس کے یہاں مضامین کے اعتبار سے تنوع پایا جاتا ہے اور تخیل کی پرواز دیدنی ہے۔ غواصی نے جس طرح ممدوح کی مدح لکھتے ہوئے اس کی سخاوت، شجاعت، شرافت اور عدالت و منصفی کا ذکر کیا ہے دکنی اردو میں اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ اسی طرح غواصی نے اپنے قصیدوں میں ''گریز'' میں بھی فنی چابک دستی اور طباعی کا ثبوت دیا ہے اور منطقی ربط کا خاص خیال رکھا ہے۔ صنائع اور بدائع کا استعمال بھی غواصی کے قصیدوں کی شان ہے۔ پروفیسر محی الدین قادری زور نے غواصی کو دکن کا سب سے اہم قصیدہ گو تسلیم کیا ہے۔

گولکنڈہ میں قطبی اور افضل بھی قصیدہ نگاری میں اپنا اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ قطبی عبداللہ شاہ کے عہد کا شاعر تھا۔ افضل نے عبد اللہ قطب شاہ کی شان میں جو قصیدہ لکھا ہے وہ اس کی قادرالکلامی اور شاعرانہ طباعی کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس کے یہاں تشبیب اور مدح دونوں میں تخیل کی رنگا رنگی اور جذبات و خلوص کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ عادل شاہی عہد حکومت کے آٹھویں فرماں روا علی عادل شاہ شاہی کے کلیات میں بھی متعدد قصیدے ملتے ہیں۔ اس کے قصیدوں میں شاہانہ طمطراق اور رعب داب کا اظہار ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاہی کے قصیدوں میں ادق الفاظ کا استعمال بھی ملتا ہے اور اس کی بحریں بھی کسی حد تک دشوار گزار ہیں، مگر اسلوب بیان کی دلکشی اور جذبے کا خلوص نمایاں ہے۔ تخیل کی پرواز اور تشبیہات و استعارات میں جاذبیت ہے۔ پروفیسر عبدالقادر سروری نے لکھا ہے کہ شاہی کا کلام لطف زبان، تخیل کی بلند پروازی، اسلوب کی جدت اور طرز ادا کی ندرت کے اعتبار سے اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔

نصرتی بھی عہد قدیم کا قابل ذکر قصیدہ گو ہے۔ وہ علی عادل شاہ ثانی کا درباری شاعر اور ملک الشعرا کے منصب پر فائز تھا۔ ہر چند کہ نصرتی درباری شاعر تھا، مگر اس کے قصیدوں میں شوکت لفظی اور زور بیان کے علاوہ جنگ کے واقعات و مناظر اور مظاہر قدرت کے بیان پر بھی زور ملتا ہے۔ خیالات کی جدت اور تشبیہات و استعارات کی ندرت نصرتی کے قصائد میں چار چاند لگا دیتی ہے۔

نصرتی نے خاصے طویل قصیدے قلم بند کئے ہیں اس نے اپنے قصائد کا مواد قصیدے کے رسمی موضوعات سے الگ ہٹ کر حقیقی حالات و واقعات سے کشید کیا ہے۔ نصرتی کے قصائد کی بحریں کہیں کہیں پیچیدگی کا شکار ہو جاتی ہیں اور زبان میں ثقالت و غرابت کا احساس ہوتا ہے۔

نصرتی نے کل بارہ قصائد لکھے۔ ''علی نامہ'' میں اس کے قصائد اپنے نقطہ عروج پر پہنچتے نظر آتے ہیں۔ یہ وہ قصائد ہیں جو فارسی زبان کے بہترین قصائد کے معیار کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ ذکر ہوا اردو کو ادبی وقار دکن میں حاصل ہوا۔ دکنی شاعروں میں غواصی، ابن نشاطی، نصرتی اور وجہی جیسے شاعروں نے قصیدہ گوئی پر بھی خصوصی توجہ کی۔ غواصی کی زبان اپنے معاصرین کے مقابلے میں کچھ زیادہ صاف ہے۔ اس کے قصیدے

میں قصیدہ کی آن بان اور شوکت الفاظ صاف نمایاں ہیں۔ نصرتی کے قصیدے فنی اعتبار سے بلند ہیں، مگر ان میں سنسکرت الفاظ کی کثرت ہے۔

اردو قصیدہ نگاری شمالی ہند میں:

یہ تو جنوبی ہند میں قصیدہ، اس کا فن، روایت اور قصیدہ نگاروں کا سرسری تذکرہ ہوا۔ جب ہم شمالی ہند میں قصیدہ اور اس کی روایت کی طرف آتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ شمالی ہند میں اردو شاعری کی ابتدا کا زمانہ نہایت پر آشوب تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے بعد اس کے جانشینوں میں تخت و تاج کے لئے خانہ جنگیاں شروع ہوئیں۔ ان کا شیرازہ بکھر گیا اور مغل بادشاہ اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ دہلی سازشوں کا مرکز بن گئی۔ اردو شعرا بھی ان حالات سے خود کو بچا نہ سکے۔ ان میں سے اکثر ترک وطن کر کے فیض آباد اور لکھنؤ منتقل ہونے لگے۔ سودا اور میر جیسے نامی گرامی شعرا بھی ان میں شامل تھے۔ ولی دکنی اور سراج اورنگ آبادی کے بعد شمالی ہند میں میر، سودا اور ذوق بڑے قصیدہ گو قرار پائے۔ سودا کے عہد میں فارسی شاعری کا زور ختم ہونے لگا اور اردو شاعری عام ہونے لگی، ایسے میں سودا کے قصیدے اردو قصیدہ نگاری کا معیار تنقید قرار پائے۔ سودا کے بعد بہتوں نے اس روش پر چلنے کی کوشش کی مگر سچ ہے کہ اردو قصیدہ سودا سے آگے نہ جا سکا۔

سودا کے معاصرین میں میر، اشرف علی فغاں، قائم چاند پوری وغیرہ دیگر اصناف کے علاوہ قصیدہ نگاری میں اپنے قلم کا جوہر دکھاتے ہیں۔ ان شعرا کے دوش بدوش انشا، مصحفی، جرأت بھی اپنے جداگانہ مزاج و اسلوب کے سبب قصیدہ نگاری میں نام روشن کرتے ہیں اور قصیدوں میں ہندوستانی رنگ و آہنگ، انوکھی بندشیں اور سحر آفریں مضامین کا اضافہ کرتے ہیں۔ ان شعرا کے فوراً بعد آنے والے شعرا میں ذوق، غالب اور مومن کا شمار ہونا چاہئے، جنہوں نے اردو غزل کے ساتھ ساتھ فن قصیدہ کی بھی آبیاری کی۔ غالب اور مومن کا فطری میلان قصیدہ گوئی کی طرف نہیں تھا۔ البتہ ذوق نے پرشکوہ قصیدے قلمبند کئے ہیں اور قصیدہ گوئی کا حق ادا کر دیا۔ ان کے قصیدے فن قصیدہ نگاری کے بہترین نمونے ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ دکن اردو ادب کا اولین مرکز رہا۔ یہاں کے ادبی شاہکاروں میں غزل، مثنوی، مرثیہ اور قصیدہ کے بیش بہا خزانے ملتے ہیں۔ پھر زمانے کے انقلابات کے تحت اردو کا مرکز شمال کی طرف منتقل ہو گیا اور شمالی ہند کے اکثر شاعر جیسے آبرو، ناجی، رنگین، حاتم، فغاں اور یکرنگ وغیرہ اردو شاعری کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر جلد ہی میر و سودا کا عہد آیا جسے اردو شاعری کا ''عہد زریں'' کہتے ہیں۔ ان شاعروں نے اردو شاعری کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ سودا میر کے ہمعصر تھے۔ ان کا فطری میلان قصیدہ گوئی کی طرف تھا۔ انہوں نے ایسے لاجواب قصیدے لکھے کہ قصیدہ گوئی کا حق ادا کر دیا۔ انہیں اردو کا عظیم قصیدہ گو قرار دینے میں کسی قسم کا تکلف نہیں ہونا چاہئے۔

ذوق کی زبان اپنے پیش روؤں کے مقابلے میں زیادہ صاف، شستہ ہیں۔ وہ اپنے قصیدوں میں تشبیب اس انداز سے قلم بند کرتے ہیں جو انہیں کا حصہ ہے۔ انہیں اپنے بزرگوں کی کامیاب تقلید اور روایات کو بحسن و خوبی برتنے کا ہنر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے

کہ بعض ناقدین ان کے قصیدوں میں صرف آورد کا پہلو تلاش کرتے ہیں۔

بیسوی صدی کے ربع اول میں بھی بہت سارے شاعروں نے قصیدہ گوئی کی طرف توجہ کی مگر ان میں امیر، منیر، داغ، جلال اور محسن کاکوروی بحیثیت قصیدہ نگار اپنا ایک خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ محسن کاکوروی کا نعتیہ قصیدہ ''مدیح خیر المرسلین'' کا جواب اردو کے نعتیہ قصیدے میں کل بھی مشکل تھا اور آئندہ بھی مشکل نظر آتا ہے۔ اس کی تشبیب نہایت شاندار، جاندار اور نرالی ہے۔

بہر حال! قصیدہ اپنی گوناگوں خصوصیات کے سبب اردو کی ایک اہم صنف ہے۔ اس میں شاعری کا فن اپنے کمال پر نظر آتا ہے۔ آج اس صنف پر ماہ وسال کی گرد ضرور نظر آتی ہے مگر پھر بھی اس کی تاریخی حیثیت سے کوئی بھی ذی علم انکار نہیں کرسکتا۔

ماحصل:

قصیدہ نے اپنے حدود میں رہ کر اردو شاعری کی قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔ اردو کی مقبول ترین صنف سخن غزل تھی اور غزل بنیاد تصوف پر تھا۔ قصیدے نے اپنے دامن میں تسلسل کے ساتھ مختلف مضامین کو جگہ دے کر اردو شاعری کی موضوعاتی رفعت عطا کی ہے اور ایک نیا لہجہ دیا ہے۔ جس میں سنجیدگی اور متانت اور ہم آہنگی قصیدے کے چند کھلے ہوئے مقاصد تو یہ ہی تھے کہ سلاطین وامرہ کی مدح وستائش کی جائے۔ انعام واکرام حاصل کئے جائیں اور شاعرانہ کمالات کا مظاہرہ کیا جائے۔ مذہبی قصائد کا مقصد تعلیم واخلاق مذہبی جذبہ جوش کی آسودگی اور ثواب دارین کا حصول تھا لیکن قصیدے نے شعوری، نیم شعوری یا غیر شعوری طور پر کچھ اور مقاصد بھی انجام دیئے ہیں۔ قصیدہ جس عہد کی پیداوار ہے اس میں سلاطین وامراء اور نچلے طبقات میں ایک بڑی کھائی تھی اس کو پر کرن کے ذرائع بہت محدود تھے۔ سلاطین وامرہ کو اپنے اقتدار قائم رکھنے کیلئے جہاں مادی قوت اور ساز وسامان پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ قصیدہ میں تشبیب کے مضامین خصوصا بہار وخوشی کے تذکروں نے جہاں ایک طرف رجائیت کی لہر دوڑا دی وہیں دوسری طرف جاہ وجلال وشجاعت وبہادری وغیرہ کے بیان نے جوش اور ولولہ پیدا کیا قصیدہ کا یہی رجائی آہنگ اور پرشکوہ لہجہ اردو شاعری کے لئے اس کی دین کہا جاسکتا ہے۔ قصیدہ میں نئے نئے مضامین اور علمی تصورات اور اصطلاحات کے بیان نے زبان کے دائرے کو بھی وسیع کیا ہے اور اسالیب بیان اور تشبیہات اور اشتعارات میں بھی تنوع پیدا کیا ہے۔ مختصر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قصیدہ ایک بہت ہی مشکل صنف سخن ہے بہت غور وفکر اور بڑی محنت کے بعد ایک اچھا قصیدہ وجود میں آتا ہے قصیدہ نگار کو بہت سی باتوں کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے اسے زبان، انداز وبیان، پرشوکت الفاظ اور روانی کا خاص طور سے خیال رکھنا ہوتا ہے۔ قصیدہ وہی کامیاب ہوتا ہے جس میں قصیدہ کے چاروں اجزائے ترکیبی میں ایک فطری ربط پایا جاتا ہے۔ قصیدہ میں شروع سے آخر تک روانی ہمواری اور حسن کا التزام قائم رکھنا پڑتا ہے تب جا کر قصیدہ نگار اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے۔

مشق کے لئے سوالات:

(۱) قصیدہ نگاری کی صنف سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجئے۔

(۲) قصیدہ کے اجزائے ترکیبی بیان کیجئے۔

(۳) اردو قصیدہ کے فن اور روایت پر روشنی ڈالئے۔

(۴) شمالی ہند میں اردو قصیدہ نگاری کا جائزہ لیجئے

مزید مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

(۱) اردو قصیدے کی تاریخ : (محمود الٰہی)

(۲) اردو قصائد کا سماجیاتی مطالعہ : (ام ہانی اشرف)

(۳) اردو میں قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ: (ڈاکٹر ابو محمد سحر)

(۴) اردو قصیدہ نگاری : (ام ہانی اشرف)

(۵) مطالعہ سودا : (محمد حسن)

مشکل الفاظ کے معنی:

الفاظ		معنی
فصیح	:	خوش بیان، بہترین کلام
بلیغ	:	قابل فاضل
مہتمم	:	منتظم، منیجر
تمکنت	:	غرور شان وشوکت
وسیع	:	چوڑائی پھیلاؤ، فراخی
سلاطین	:	سلطان کی جمع
تقلید	:	پیروی، کسی کے قدم بہ قدم چلنا
مہتم تابشان	:	بہت اہتمام کر کے شان بڑھائی جائے